PD-FEBRURAY – 2025

سورہ الاحزاب 23 تا 35

ترجمہ و تفسیر تدبر القرآن

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ
مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝۲۳ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۴ وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝۲۵ وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ
قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝۲۶ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ
اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۷ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝۲۸ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ
مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ وَ مَنْ يَّقْنُتْ
مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝۳۱ يٰنِسَآءَ
النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۳۲ وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝۳۳ وَ
اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝۳۴ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ

الْمُسْلِمٰتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

اہل ایمان میں وہ جانباز بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا۔ سوان میں سے بعض تو اپنا عہد پورا کر چکے اور بعض منتظر ہیں۔ اور انھوں نے ذرا بھی تبدیلی نہیں کی ہے

سورۂ اعراب کی تفسیر میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ لفظ رجال جب اس طرح استعمال ہوتا ہے تو وہ تضخیم شان پر دلیل ہوتا ہے، اس وجہ سے اگر اس کا ترجمہ مردان حق یا مردان کار، کیا جائے تو یہ ترجمہ لفظ کی روح کے مطابق ہوگا۔

لفظ نحب وسیع معنوں میں آتا ہے۔ عزم وہمت، عہد و پیان، نذر، سب اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ امام بخاری (رح) نے اس کی تفسیر 'عھد' سے کی ہے اور یہ تفسیر لفظ کی روح اور موقع و محل کی مقتضیات کے بالکل مطابق ہے۔

اوپر آیت ۱۵ میں منافقین کا حال بیان ہو چکا ہے کہ انھوں نے اللہ اور رسول سے یہ عہد کیا تھا کہ اب کسی جنگ کا موقع آیا تو وہ پیٹھ نہیں دکھائیں گے لیکن جب موقع آیا تو محاذ سے فرار کے بہانے ڈھونڈنے لگے۔ یہ ان کے مقابل میں اللہ کے وفادار بندوں کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے اندر وہ مردان حق بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے باندھے ہوئے عہد کو اس کی راہ میں جانیں دے کر پورا کر دکھایا اور جو ابھی یہ عہد پورا نہیں کر سکے ہیں وہ سر ہتھیلی پر لیے کھڑے ہیں کہ کب موقع آئے کہ وہ اس فرض سے سبکدوش ہوں۔ "وما بدلوا تبدیلا اور انھوں نے اللہ سے باندھے ہوئے عہد میں سر مو تبدیل نہیں کی۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾

تاکہ اللہ راستبازوں کو ان کی راست بازی کا صلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہیے یا ان کی توبہ قبول کرے (اگر وہ توبہ کریں) بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

ہاں قرینہ دلیل ہے کہ فعل محذوف ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے احزاب کا یہ طوفان اس لیے اٹھایا کہ یہ راستبازوں اور منافقوں کے درمیان امتیاز کے لیے ایک کسوٹی بنے۔ اس پر پرکھ کر اللہ تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو راستبازی کا صلہ دے اور منافقوں کو سزا دے اگر چاہے اور ان کی توبہ قبول کرے اگر وہ توبہ کریں۔

'ان شاء او یتوب علیھم' میں قرآن کے اس معروف اسلوب کے مطابق جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ 'یتوب علیھم کے بعد بھی ان شاء کے الفاظ ہیں اگرچہ تکرار سے بچنے کے لیے وہ حذف کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی حکمت اور اس کی سنت کے مطابق ہے، اس وجہ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔ وہ چاہے گا تو ان کو بخش دے گا۔ اس ٹکڑے میں منافقین کے لیے دعوت استغفار ہے کہ ان کے لیے اب بھی گنجائش باقی ہے۔ اگر وہ چاہیں تو استغفار و توبہ کے ذریعہ سے پھر خدا کی رحمت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ یاد دہانی بھی ہے کہ تمام امور کو انحصار اللہ واحد کی مشیت ہی پر ہے اس وجہ سے جھوٹے سہاروں پر تکیہ کرنے کے بجائے وہ اپنے آپ کو اللہ ہی کے حوالہ کریں۔ اس ٹکڑے سے

جن لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو چاہے گا توبہ واستغفار کے بغیر ہی بخش دے گا۔ انھوں نے توبہ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی سنت کو نہیں سمجھا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کی مشیت کو کوئی دوسرا روک یا بدل نہیں سکتا لیکن اس نے اپنے عدل و حکمت کے تحت جو قاعدے ٹھہرائے ہیں اس کی مشیت ان قاعدوں کو باطل نہیں کرتی۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝۲۵

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصہ کے ساتھ، بالکل بے نیل مرام، پسپا کر دیا اور جنگ کے لیے اللہ مسلمانوں کی طرف سے خود کافی ہو گیا اور اللہ قوی و غالب ہے۔

'الذین کفروا' سے مراد احزاب کے شرکاء ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ غصہ اور بغض وعناد سے بھرے ہوئے آئے تھے کہ مسلمانوں کو کچا ہی کھا جائیں گے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے غصہ کے ساتھ ہی ان کو پسپا کر دیا، وہ اس کا کوئی حصہ بھی نکال نہ سکے۔ 'لم ینالوا خیرا' یعنی ان کے منصوبے تو بڑے بڑے تھے لیکن ان کے کسی منصوبے میں ان کو ذرا بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

'وکفی اللہ المومنین القتال'۔ یعنی دشمنوں کے اس خطرناک حملہ کے دفاع کے لیے مسلمانوں کو خود کوئی لڑائی نہیں لڑنی پڑی بلکہ ان کی طرف سے لڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہو گیا۔ اس نے اپنی باد تند اور اپنے ملائکہ کی افواج قاہرہ کے ذریعہ سے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے اور وہ مایوس و نامراد پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

'وکان اللہ قویا عزیزا' یہ تمہید کے مضمون وکفی باللہ وکیلا کی یاددہانی ہے کہ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب و مقتدر ہے، اس وجہ سے اس کے بندوں کو چاہیے کہ اس پر پورا بھروسہ رکھیں۔ اگر وہ اس کے بھروسہ پر اس کی راہ میں اٹھیں گے تو وہ ان کے بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا بلکہ عناصر کائنات اور پنے ملائکہ کو وہ ان کی مدد کے لیے بھیج دے گا۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝۲۶

اور اللہ نے ان اہل کتاب کو جنھوں نے کافروں کی مدد کی ان کے قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں کو مرعوب کر دیا۔ کچھ کو تم قتل کرتے ہو اور کچھ کو قید۔

یہ بنو قریضہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں کہ انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ معاہدہ امن و صلح کر رکھا تھا لیکن جب احزاب نے اپنی مجتمع قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کیا کہ ان کو ہمیشہ کے لیے جڑ پیڑ سے اکھاڑ کے رکھ دیں تو انھوں نے بھی معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر احزاب کا ساتھ دیا۔ تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور یہودی لیڈر حی بن اخطب نضری بنو قریضہ کے سردار کعب بن اسد سے ملا اور اس کو ساتھ دینے کے لیے اس نے ابھارا۔ پہلے تو اس نے معاہدہ کے سبب سے کچھ تذبذب کا اظہار کیا لیکن حی بن اخطب نے یہ پٹی پڑھائی کہ میں تمھی لوگوں کی خاطر تو سارے عرب کو اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھا لایا ہوں، اگر تمھی نے اس مہم میں ساتھ نہ دیا تو پھر میری اس تمام دوڑ دھوپ کا حاصل کیا! مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دینے کا یہ آخری موقع ہے، اگر یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتاؤں گے اور اس پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا! حی بن اخطب کا یہ جادو کارگر ہو گیا اور بنو قریظہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ چیز مزید پریشانی کا باعث ہوئی۔ مدینہ کے بالکل قریب ان کے قلعے اور گڑھیاں تھیں اور لڑنے والے افراد کی بھی ان کے پاس کافی تعداد تھی۔ ان کی شرکت سے دشمنوں کا حوصلہ دو چند ہو گیا اور مسلمانوں کے لیے یہ آزمائش بہت ہی صبر آزما بن گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے جس طرح تمام پارٹیوں کو پسپا ہونا پڑا اسی طرح انھیں بھی پسپا ہونا پڑا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محاذ سے واپسی کے معابعد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ بنو قریظہ حملہ کریں۔ آپ نے مسلمانوں کو فوراً حملہ کردینے کا حکم دے دیا اور بنو قریضہ کا محاصرہ کرلیا گیا۔ یہ محاصرہ تقریباً ۲۵ دن جاری رہا۔ بالا اخر انھوں نے مرعوب ہو کر حضرت سعد بن معاذ (رض) کا حکم مان لیا کہ وہ جو فیصلہ کردیں ان کو منظور ہوگا۔ حضرت سعد (رض) نے فیصلہ کیا کہ ان کے تمام قابل جنگ افراد قتل کر دیے جائیں اور بقیہ کو لونڈی غلام بنالیا جائے۔ اس فیصلہ کی فوراً تعمیل کی گئی۔ اسی واقعہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ 'من صیا صیھم۔ 'سیصۃ' مرغ کے پنچے کو کہتے ہیں۔ اسی سے جمع 'صیاصی' ہے جو بیل کے سینگوں کے لیے بھی آتا ہے اور پھر ترقی کر کے دفاعی حصارات، قلعوں اور گڑھیوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ بنو قریضہ پہلے تو اپنے قلعوں میں محصور ہوگئے لیکن محاصرے سے تنگ آکر بالآخر ان کو مجبوراًان سے نکلنا پڑا اور اپنے آپ کو اپنے اہل وعیال سمیت مسلمانوں کے حوالہ کرنا پڑا۔ 'وقذف فی قلوبھم الرعب' اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اس طرح مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ حضرت سعد (رض) کے فیصلہ کے خلاف ان کو چوں کرنے کی بھی جرأت نہ ہو سکی۔ مسلمانوں کا رعب ڈال دیا کہ حضرت سعد (رض) کے فیصلہ کے خلاف ان کو چوں کرنے کی بھی جرأت نہ ہو سکی۔ مسلمانوں نے بغیر کسی ادنیٰ ماحمت کے، ان کے قابل جنگ افراد کو قتل کر کے بقیہ کو لونڈی غلام بنالیا۔ 'وارثکم ارضھم ودیارھم اموالھم اور ان کا پورا علاقہ، ان کے تمام مکانات وحصارات اور ان کے ہر قسم کے اموال واثاثات کے ساتھ، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے قبضے میں دے دیا۔

'وارضا لم تطئوھا'۔ یہ بشارت ہے مستقبل کی فتوحات کی۔ فرمایا کہ یہ نقد عاجل تو جو کچھ تمہیں ہم نے بخشا وہ تم نے دیکھ لیا لیکن ابھی اور ابھی علاقے تمہارے قبضہ میں آئیں گے حق تک تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے ہیں لیکن ان کی وراثت ہم نے تمہارے لیے مقدر کر رکھی ہے۔ یہ اشارہ خیبر، مکہ اور روم وشام وغیرہ کی فتوحات کی طرف ہے۔ 'وکان اللہ علی کل شئی قدیرا'۔ یعنی یہ جو کچھ تم نے اپنی آنکھوں دیکھا کافی ہے یہ اطمینان پیدا کرنے کے لیے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی اس کے ارادے میں مزاحم نہیں ہو سکتا، اس وجہ سے اہل ایمان کو چاہیے کہ اس پر پورا پورا بھروسہ رکھیں۔

وَاَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَدِيَارَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ وَاَرۡضًا لَّمۡ تَطَـُٔوۡهَا‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا ۲۷

اور ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث تم کو بنایا۔ علاوہ ازیں اور بھی زمین ہے جس پر تمہارے پاؤں ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزۡوَاجِكَ اِنۡ كُنۡتُنَّ تُرِدۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتَهَا فَتَعَالَيۡنَ اُمَتِّعۡكُنَّ وَاُسَرِّحۡكُنَّ سَرَاحًا جَمِيۡلًا ۲۸

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں

۴۔ آگے کا مضمون۔ آیات ۲۸۔ ۳۵

اوپر کے پیرے میں عام مسلمانوں کو اللہ اور رسول کی اطاعت پر مجتمع کرنے کے بعد آگے ازواج نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب کر کے ان کو منافقین اور منافقات کے فتنوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین فرمائی ہے کہ ان کی کوشش یہ ہے کہ ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں بھی طلب دنیا کی بیماری پیدا کریں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی رفاقت کے لیے اس لیے چنا ہے کہ وہ اس کتاب وحکمت کی تعلیم کا ذریعہ نہیں جو اللہ کے رسول سے انھیں حاصل ہو رہی ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا مرتبہ بہت اونچا ہے اگر انھوں نے اپنے فریضہ منصبی کی ذمہ داریاں ادا کیں۔ اسی طرح ان کے لیے سزا بھی بہت ہی سخت ہے اگر ان سے کوئی جرم صادر ہوا۔۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

یایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنت منکن اجرا عظیما (۲۸۔ ۲۹)

ہمارے مفسرین نے ان آیات کا پس منظر یہ بتایا ہے فتح خیبر کے بعد جب مسلمانوں کو فی الجملہ معاشی کشادگی حاصل ہوئی تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج نے بھی آپ سے مطالبہ کیا کہ ان کو بھی زندگی کی راحتوں اور زینتوں سے متمتع ہونے کا موقع دیا جائے۔ ان کے اس مطالبہ پر بطور عتاب یہ آیات نازل ہوئیں۔ ہمارے نزدیک کئی پہلوؤں سے یہ بات نہایت کمزور ہے۔

اول تو قرینہ دلیل ہے کہ یہاں جن حالات پر تبصرہ ہو رہا ہے وہ ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال سے تعلق رکھنے والے ہیں اور غزوہ خندق اور بنو قریضہ کے حالات زیر بحث آئے ہیں آگے حضرت زید (رض) اور حضرت زینب (رض) کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ان تمام واقعات کا تعلق ۵ ھ سے ہے۔ خیبر ابھی فتح نہیں ہوا تھا۔ اوپر آیات ۶۷ کیا لفاظ اور ضالم تطؤھا کے تحت خود مفسرین ہی نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ فتح خیبر کی پیشگی بشارت ہے۔

دوسرا یہ کہ مطالبہ اگر مجرد نان نفقہ میں فی الجملہ توسیع کے لیے تھا تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس پر ان کو یہ نوٹس دے دیا جائے کہ ان کو دے دلا کر ہمیشہ کے لیے رخصت کر دیا جائے۔ اس طرح کی بات پر اول تو کسی تنبیہ کیسزاوار ہی نہیں تھیں اور اگر تمہیں بھی تو زیادہ سے زیادہ اس نصیحت کی مستحق تھیں کہ نبی کی معیت مطلوب ہے تو انھیں صبر و قناعت کی زندگی اختیار کرنی پڑے گی۔

تیسرا یہ کہ امہات المومنین (رض) کے متعلق یہ سوء ظن نہیں کیا جاسکتا کہ ان پر دنیا کی راحتوں اور زنیتوں کا شوق کسی دور میں اتنا غالب آگیا ہو کہ وہ اس کا مطالبہ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی ہوں اور معاملہ اتنا سنگین ہو گیا ہو کہ خود اللہ تعالیٰ کو اس میں مداخلت کرنی پڑی ہو اور نوبت اس نوٹس تک پہنچ گئی ہو جو ان آیات میں ان کو دیا گیا۔

بہر حال یہ شان نزول ہمارے نزدیک قابل توجہ نہیں ہے۔ نہ آیت کے الفاظ سے اس کی تائید ہوتی ہے، نہ وقت کے حالات سے۔ ہم یہاں اس سورۃ کی روشنی میں وقت کے بعض خاص حالات کی طرف اشارہ کریں گے جن سے ان آیات کا صحیح موقع و محل سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اس پوری سورۃ پر تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں منافقین کی ریشہ دوانیاں جس طرح عام مسلمانوں کو اسلام اور نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بدگمان و برگشتہ کرنے کے لیے بہت بڑھ گئی تھیں اسی طرح منافقات کے ذریعے سے انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گھریلو زندگی کے سکون کو درہم برہم کرنے کے لیے بھی بڑی خطرناک مہم چلا رکھی تھی۔ منافق عورتیں امہات المومنین (رض) کے گھروں میں جاتیں اور نہایت ہمدردانہ انداز میں ان سے کہتیں کہ آپ لوگ شریف اور معزز گھرانوں کی بیٹیاں ہیں لیکن آپ لوگوں کی زندگی ہر راحت و لذت سے محروم، بالکل قیدیوں کی طرح گزر رہی ہے۔ اگر آپ دوسرے گھروں میں ہوتیں تو آپ کی زندگی بیگمات کی طرح نہایت عیش و آرام اور ٹھاٹ باٹ کے ساتھ گزرتی۔ ساتھ ہی وہ یہ وسوسہ اندازی بھی کرتیں کہ اگر یہ (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو طلاق دے دیں تو بڑے بڑے رئیس اور سردار آپ لوگوں سے نکاح کریں گے اور آپ لوگوں کی زندگیاں قابل رشک ہو جائیں گی۔ آگے کی آیات سے یہ بات بھی سامنے آئے گی کہ منافقین کو بھی جب کبھی نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھروں میں جانے اور آپ کی ازواج مطہرات سے بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے اندر کچھ نہ کچھ وسوسہ اندازی کی ضرور کوشش کرتے۔ ان کوششوں سے ان کا اصلی مقصد تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گھریلو زندگی کے اندر کوئی اس طرح کا فتنہ کھڑا کرنا تھا جس طرح کا فتنہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ (رض) کے متعلق کھڑا کر دیا تھا، جس کی تفصیلات سورۃ نور میں آپ پڑھ چکے ہیں، ورنہ ادنیٰ درجے میں یہ فائدہ تو ان کو بدیہی طور پر نظر آتا تھا کہ اس سے ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے اندر بے اطمینانی پیدا ہوگی اور کیا عجب کہ اس طرح کوئی ایسی شکل نکل آئے کہ وہ آپ کی ازواج کے ساتھ نکاح کرنے کا جو مذموم ارادہ رکھتے ہیں وہ پورا ہو جائے۔

منافقین و منافقات کی ان چالوں سے اگرچہ امہات المومنین (رض) بالکل بے خبر نہیں تھیں، بعض تلخ تجربے ان کو ہو چکے تھے، لیکن شریف، کریم النفس اور باحیا لوگوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان کے سامنے اگر ہمدردی و خیر خواہی کے انداز میں بات کرتا ہے تو وہ اس کے کھوٹ سے واقف ہوتے ہوئے بھی، اس کو جواب نرمی ہی سے دیتے ہیں۔ امہات المومنین (رض) بھی اپنی کریم النفسی کے سبب سے ان لوگوں کو نرمی ہی سے جواب دیتیں جس سے یہ کمینے لوگ اس طمع خام میں مبتلا ہو جاتے کہ ان کا پراپیگنڈا کامیاب ہو رہا ہے اور وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

یہ حالات تھے جن میں یہ آیات اتری ہیں۔ ان میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان کو سنانا تو مقصود ہے دراصل ان منافقین اور منافقات کو جن کو ریشہ دوانیوں کے تار و پود اان میں بکھیرے گئے ہیں، لیکن وہ پس پردہ تھے اس وجہ سے قرآن نے ان کو مخاطب کرنے کے بجائے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو مخاطب کر کے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔

یہاں بلاغت کلام کے اس اسلوب کو یاد رکھیے کہ بسا اوقات ظاہر الفاظ کے اعتبار سے کلام میں خطاب کسی سے ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی عتاب مضمع ہوتا ہے تو اس کا رخ کسی اور طرف ہوتا ہے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر اب آیات کے مفہوم پر غور کیجئے۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے نبی ! تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کے عیش اور اس کی زینتوں کی طالب ہو تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کی کامرانیوں کی طالب ہو تو یاد رکھو کہ تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرنے والی اور آخرت کی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر پہنچانے والی ہوں گی، اللہ نے ان کے لیے جو اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آزادی کا یہ اختیار نامہ ازواج مطہرات کے سامنے رکھ دیا اور سب سے پہلے حضرت عائشہ صدیقہ (رض) کے سامنے رکھا جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو یہ ہدایت بھی فرمائی کہ وہ اس کے جواب میں جلدی نہ کریں بلکہ اپنے والدین سے بھی مشورہ کر لیں، اس کے بعد جواب دیں۔ لیکن حضرت صدیقہ (رض) نے بغیر کسی توقف کے جواب دیا کہ مجھے اس معاملے میں کسی کے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں ! منافقین نے سب سے زیادہ جادو تو انہی پر چلانے کی کوشش کی ہو گی، جب ان کا جواب ان کی تمام توقعات پر پانی پھیر دینے والا ثابت ہوا تو تابہ دیگراں چہ رسدؑ

اس طرح قرآن نے ایک طرف تو منافقین کی ان ریشہ دوانیوں کا ہمیشہ کے لیے سدِ باب کر دیا جو وہ ازواج مطہرات کے درمیان کر رہے تھے دوسری طرف اس امتحان کے ذریعے سے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ ازواج مطہرات (رض)، سب بلا استثناء اللہ و رسول اور آخرت کی طالب تھیں۔ اسی چیز نے ان کو اللہ کے رسول کے ساتھ وابستہ کیا تھا اور یہ وابستگی اتنی مستحکم تھی کہ اس نیا کی کوئی طمع اس کو توڑ نہیں سکتی تھی۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ ان آیات میں ازواج مطہرات (رض) پر دنیا طلبی کے جرم میں کوئی عتاب نہیں ہوا ہے، جیسا کہ لوگوں نے سمجھا ہے، بلکہ یہ اللہ و رسول کی طرف سے ان کو آزادی کا پروانہ دے کر ان کے اعلیٰ کردار کا مظاہرہ کرایا گیا تاکہ ان منافقین کے حوصلے ہمیشہ کے لیے پست ہو جائیں جو اس طمع خام میں مبتلا تھے کہ ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو دنیا کی کسی طمع کے پھندے میں پھنسا کر اپنی طف مائل کیا جاسکتا ہے۔ اس اعلان تخیر کے بعد گویا ہر ایک کو حوصلہ آزمائی کا موقع دے دیا گیا لیکن سب پر ثابت ہو گیا کہ اہل بیت رسالت کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس حرم کے اندر کسی کے لیے کسی در اندازی کی گنجائش نہیں ہے۔

’وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرہ فان اللہ اعد للمحسنت منکن اجرا عظیما۔ لفظ ’احسان ‘ یہاں حسن و خوبی اور اخلاص و راستبازی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے حقوق اور طلب آخرت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے مفہوم میں ہے۔ اس آیت میں کچھ مضمون محذوف ہے جس پر اس کا اسلوب بیان دلیل ہے۔ اس اسلوب کا پورا حق ادا کیجئے تو مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی طالب اور دار آخرت کی کامرانیاں چاہنے والی ہو تو نہایت خوبی اور مستعدی کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور طلب آخرت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں سرگرم رہو اور یہ اطمینان رکھو کہ تم میں سے جو ان حقوق و فرائض کو ’احسان ‘ کے ساتھ ادا کرنے والی ہوں گی اللہ نے ان کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔ اس سے ضمناً یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے لیے بھی مجرد نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نسبت کوئی کام آنے والی چیز نہیں ہے بلکہ اصل چیز عمل و اطاعت ہے اور عمل و اطاعت بھی ’احسان ‘ کے ساتھ۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کی طالب ہو تو اطمینان رکھو کہ اللہ نے تم سے خوبی کے ساتھ نباہ کرنے والیوں کے لیے ایک اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰

اے نبی کی بیویو، تم میں سے جو کسی کھلی بے حیائی کی مرتکب ہو گی تو اس کے لیے دو چند عذاب ہے۔ اور یہ بات اللہ کے لیے آسان ہے۔

اوپر کی بات تو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ذریعہ سے کہلائی گئی اس لیے کہ اس کا آپ کی زبان ہی سے کہلایا جانا موزوں تھا۔ اب آگے براہ راست ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو مخاطب کر کے ان پر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیویاں ہونے کے سبب سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ و مرتبہ بھی بہت اونچا ہے اور اس مرتبہ ہی کے اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت بھاری ہیں۔ پہلے ان کی ذمہ داری بتائی کہ وہ اس امر کو یاد رکھیں کہ اگر ان سے کوئی جرم صادر ہوا تو وہ اسی ترازو سے نہیں تولا جائے گا جس سے دوسروں کے جرم تولے جائیں گے بلکہ ان کے اعمال الگ باٹ اور الگ ترازو سے تولے جائیں گے اور دوسروں کی نسبت سے ان کو دونی سزا ملے گی۔

'وکان ذلک علی اللہ یسیرا' یعنی تم میں سے کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ رسول کی زوجیت میں ہونے کے سبب سے تم میں سے کسی کو سزا دینا اللہ پر ذرا بھی شاق گزرے گا۔ اللہ کا قانون بالکل بے لاگ ہے۔ وہ کسی کے ساتھ کسی نسبت و تعلق کی بناپر کوئی رعایت نہیں کرے گا۔

اس تنبیہ سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ العیاذ باللہ ازواج مطہرات (رض) سے کسی سنگین نوعیت کے جرم کا اندیشہ تھا۔ یہ محض ان کی ذمہ داری اور ان کے مرتبہ و مقام کی یاددہانی کر کے ان کو متنبہ فرمایا گیا ہے کہ وہ شیاطین کی وسوسہ اندازیوں سے اچھی طرح ہوشیار رہیں۔ یہاں فاحشۃ مبینۃ (کھلی بے حیائی) کے الفاظ جو استعمال ہوئے ہیں وہ منافقین و مفسدین کے مخفی ارادوں کو پیش نظر رکھ کر استعمال ہوئے ہیں۔ وہ رات دن اسی تگ و دو میں تھے کہ اہل بیت رسالت سے متعلق کوئی سکینڈل (Scandal) پیدا کریں، تاکہ ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو اور مسلمانوں کی اخلاقی ساکھ برباد ہو۔ قرآن نے یہ لفظ استعمال کر کے ازواج مطہرات (رض) کو آگاہ کر دیا کہ منافقین ہمدردی و خیر خواہی کے بھیس میں درحقیقت اپنے بہت بڑے شیطانی منصوبے کی فکر میں ہیں۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ۝۳۱

اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار نبی رہیں گی اور عمل صالح کریں گی ہم ان کو دہرا اجر دیں گے اور ہم نے ان کے لیے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔

یعنی جس طرح تمہارے کسی جرم کو سزا دگنی ہے اسی طرح تمہاری نیکیوں کی جزا بھی دگنی ہے۔ اس وجہ سے تم میں سے جو اللہ و رسول کی صدق دل سے فرمانبرداری اور عمل صالح کرتی رہیں گی اللہ ان کو دہرا اجر دے گا اور ان کے لیے باعزت رزق اس نے تیار کر رکھا ہے۔ ہم دوسرے محل میں واضح کر چکے ہیں کہ 'رزق' اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام کی تعبیر ہے اور اس کے ساتھ کریم کی صفت اس حقیقت کی تعبیر کے لیے ہے کہ یہ رزق و فضل ان کو بطور صدقہ نہیں ملے گا بلکہ ان کے حق کے طور پر ملے گا اور ہمیشہ کے لئے، بلا کسی قید و شرط اور بغیر کسی اندیشہ احتساب و مواخذہ کے ملے گا۔

ان آیات سے یہ حقیقت بھی واضح ہوئی کہ خدا کے ہاں مواخذہ اتمام حجت کے اعتبار سے ہو گا اور اعمال کا صلہ ان حالات کے اعتبار سے ملے گا جن میں وہ انجام دیے گئے ہیں۔ ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو چونکہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معیت حاصل ہوئی اور رسول اتمام حجت کا سب سے بڑا ذریعہ

ہے اس وجہ سے ان سے مواخذہ سخت ہو گا۔ اسی طرح رسول کی رفاقت پوری وفاداری کے ساتھ چونکہ بڑا کٹھن کام ہے اس وجہ سے اس کا صلہ بھی دگنا ہے۔ جرموں کے مواخزہ اور اعمال کے صلہ کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے اور یہ بالکل مبنی بر عدل و حکمت ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾

اے نبی کو بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم لہجہ میں نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں بیماری ہے وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے اور بات معروف کے مطابق کہو۔

'خضوع' کے معنی تواضع و خاکساری کے اظہار کے ہیں۔ فلا تخضعن بالقول کے معنی ہوں گے۔ بات کہنے میں نرمی و تواضع نہ اختیار کرو۔ عام حالات میں تو پسندیدہ طریقہ کلام یہی ہے کہ آدمی تواضع کا انداز اختیار کرے لیکن بعض اوقات حالات و مصالح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس سے مختلف روش اختیار کی جائے۔ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس دور میں منافقین و منافقات رات دن اس تگ و دو میں تھے کہ ازواج مطہرات (رض) کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے کوئی ایسی بات نکالیں جس کو ایک فتنہ بنا سکیں۔ ان لوگوں کی باتیں ہمدردانہ رنگ میں ہوتی تھیں اس وجہ سے امہات المومنین (رض) بھی ان کا جواب اپنی شرافت نفس کے سبب سے نرم انداز ہی میں دیتی تھیں جس سے یہ مفسدین دلیر ہوتے جا رہے تھے اور ان کو یہ توقع ہو چلی تھی کہ وہ بہت جلد اپنی سازش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان خاص حالات کی بنا پر امہات المومنین (رض) کو اپنا رویہ بدل دینے کی ہدایت ہوئی۔ فرمایا کہ اے نبی کی بیویو، تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔ نبی کے ساتھ نسبت کے باعث تمہاری نیکی اور بدی دونوں کی ایک خاص اہمیت ہے۔ تمہاری نیکی دوسروں کے لیے مثال اور نمونہ بنے گی اور تم سے کوئی غلطی صادر ہو گی تو اس کو بھی اصحاب الاغراض حجت بنائیں گے اس وجہ سے تمہارے لیے احتیاط کی روش اولیٰ ہے۔ اگر منافقین تمہارے دلوں میں وسوسہ اندازی کرنے کی کوشش کریں تو بربنائے مروت و شرافت ان کی بات کا جواب نرمی و تواجع سے نہ دو کہ جس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کے خلاف بغض و حسد ہے وہ کوئی غلط توقع کر بیٹھے، بلکہ صاف انداز میں اس سے اس طرح بات کہو کہ اگر وہ اپنے دل میں کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اس کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے کہ یہاں اس کی دال گلنے والی نہیں ہے۔

'دلستن کا حد من النساء ان اتقین۔ یہ ازواج مطہرات (رض) کے مرتبہ کی طرف اشارہ ہے جو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ نسبت کی بنا پر ان کو دنیا کی تمام عورتوں کے مقابل میں حاصل تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد ان کے ہر قول و فعل کو امت کے لے نمونہ و مثال کی حیثیت حاصل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ امہات المومنین کا قرار دے۔ ان اتقیتن کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ مرتبہ عالی جو ان کو حاصل ہے یہ تقویٰ کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ تشوی پر قائم رہیں گی تو یہ سرفرازی ان کو حاصل رہے گی، اور اگر یہ شرط وہ پوری نہ کر سکیں گی تو، جیسا کہ اوپر گزرا، ان کی مسؤلیت دوسروں کے بالمقابل دگنی ہے۔

'فی قلبہ مرض میں مرض سے وہ کینہ و حسد مراد ہے جو اشرار منافقین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف اپنے دلوں میں رکھتے تھے اور جس کے سبب سے رات دن ان کی کوشش یہ تھی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات کو کسی طرح بدنام کریں۔ اسی گروہ کے سرغنہ نے ' انک ' کا فتنہ کھڑا کیا تھا۔

'وقلن قولا معروفا' میں 'قول معروف' سے یہ مراد ہے کہ ایسے لوگوں سے اگر بات کرنے کی نوبت آئے تو بات بالکل صاف و سادہ انداز میں کی جائے جس طرح ایک عام آدمی سے کی جاتی ہے جس میں لگاوٹ کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا۔ یعنی ان کے ہمدردانہ لب و لہجہ سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ کوئی نرم انداز نہ اختیار کیا جائے۔ یہ کمینہ لوگ ہیں اس وہ سے یہ شرافت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾

اور اپنے گھروں میں ٹک کے رہو 'اور سابقہ جاہلیت کے سے انداز اختیار نہ کرو۔ اور نماز کا اہتمام رکھو اور زکوۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے، اے اہل بیت نبی! کہ تم سے آلودگی کو دور کرے اور تمہیں اچھی طرح پاک کرے

اسی سلسلہ میں یہ مزید ہدایت دی گئی ہیں جن سے مقصود وازواج مطہرات (رض) کو منافقین و منافقات کے فتنوں سے بچا کر ان کاموں میں لگانا تھا جو ان کے شایان شان تھے اور جن کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا تھا۔ ان ہدایات کی صحیح نوعیت سمجھنے کے لیے اس بات کو ذہن میں تازہ کر لیجئے جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کی منافق عورتیں ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے دلوں میں بھی اسی طرح کے ارمان پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جس طرح کے ارمان ان کے اپنے دلوں میں تھے۔ مثلاً وہ کہتیں کہ اگر آپ لوگوں کو ان (محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قید سے رہائی حاصل ہو جائے تو وقت کے بڑے بڑے سردار آپ لوگوں کو نکاح کے پیغام دیں گے اور آپ لوگ بھی اسی طرح بن ٹھن کر زیب وزینت کے ساتھ شاپنگ اور سیر سپاٹے کے لیے نکلا کریں گی جس طرح امراء کی بیگمات نکلا کرتی ہیں۔ قرآن نے منافقات کی انہی پس پردہ وسوسہ اندازیوں اور بدآموزیوں کی طرف، تلمیح کرتے ہوئے، ازواج مطہرات (رض) کو یہ تلقین فرمائی کہ تم اپنے گھروں میں ٹک کے بیٹھو، زمانہ و جاہلیت کی عورتوں کی طرح اپنی زینتوں کی نمائش کرتی نہ پھرو۔ یہ ہدایت بالکل اسی طرح کی ہدایت ہے جس طرح کی ہدایت کوئی نیک دل باپ اپنی سعادت مند اولاد کو اس وقت کرتا ہے جب اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ کچھ برے لوگ اپنی بدآموزیوں سے اس کی اولاد کی غلط راہ پر ڈال رہے ہیں۔ اس وقت اگر وہ اپنے نیک بخت بیٹے سے یہ کہتا ہے کہ تم اپنی ساری توجہ اپنی تعلیم پر مرکوز کرو، آواروں کی طرح سڑکوں پر نعرے لگاتے نہ پھرو تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ فی الواقع اس کا لڑکا آواروں کی طرح سڑکوں پر پھر رہا تھا یا اس کے آوارہ ہونے کا اندیشہ تھا بلکہ یہ محض وقت کے آواروں پر ایک تعریض اور ان کے طریقہ سے بچانے کے لیے ایک تنبیہ ہوتی ہے۔ اسی طرح کی ہدایت ازواج مطہرات (رض) کو دی گئی ہے۔ اس میں درحقیقت و قلّت کی بیگمات کے رویہ پر تعریض اور ان کی تحقیر ہے۔ لیکن بات ان کو خطاب کر کے کہنے کے بجائے ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کو خطاب کر کے کہہ دی گئی ہے، ورنہ مہات المومنین (رض) میں بھلا ایسا کون تھا جس کی نسبت یہ شبہ بھی کیا جاسکے کہ ان کے دل میں گھر سے باہر پھرنے یا جہالت کی عورتوں کی طرح اپنے بناؤ سنگار کی نمائش کا ارمان ہو گا!

'جاہلیت' کے ساتھ یہ ان 'اولیٰ' کی صفت کی بناپر ہمارے مفسرین نے اسے سے حضر نوح (علیہ السلام) یا حضرت ادریس کے زمانہ کی جاہلیت مراد لی ہے۔ لیکن اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہ نہایت بلیغ طریقہ سے اس جاہلی تہذیب کے ختم ہونے کی طرف اشارہ ہے جس کو منافقین و منافعات اب تک اپنے سینوں سے لگائے یہ امید لیے بیٹھے تھے کہ اسلام کے ظہور سے اس کو جو دھکا لگا ہے یا لگنے کا اندیشہ ہے اس کے باوجود یہ باقی رہے گی۔ قرآن نے ان کی اسی امید پر ضرب لگانے کے لیے اس کو 'جاہلیت اولیٰ' سے تعبیر فرمایا کہ اب اسی کو قصہ ماضی سمجھو، اس کا دور اب ختم ہو چکا ہے، جو لوگ اس کے از سر نو فروغ پانے کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ جنت الحمقاء میں بس رہے ہیں۔ اسلام اور اسلامی تہذیب نے اس کی جڑیں کھوکھلی کر دی ہیں اور اگر اس کے کچھ آثار باقی ہیں تو وہ بہت جلد مٹ کر رہیں گے۔ اب جو لوگ اس گھر کی دربانی کر رہے ہیں، وہ ایک اجڑے گھر کی دربانی کر رہے ہیں۔ اگر انھوں نے اپنے رویہ میں تبدیلی نہ کی تو جس دن یہ گھر گرے گا یہ بھی اس کے نیچے دفن ہو کے رہ جائیں گے۔

'واقمن الصلوۃ واتین الزکوۃ واطعن اللہ ورسولہ۔ 'یعنی کرنے کا کام وہ نہیں ہے جو جاہلی تہذیب کی علمبردار بیگمات کر رہی ہیں بلکہ یہ ہے کہ نماز کا اہتمام کرو اور زکوۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں پوری وفاداری کے ساتھ سرگرم رہو۔ یہاں نماز اور زکوۃ اور اطاعت اللہ ورسول کا حوالہ دین کی جامع باتوں کی حیثیت سے آیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے دائرہ کار یعنی گھروں کے اندر اسی نور کو تم پھیلاؤ جس نور کو باہر کی زندگی میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ (رض) پھیلا رہے ہیں۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا'۔ یہ اہل بیت کو۔۔ اہتمام کے ساتھ مخاطب کر کے، نہایت شفقت و محبت کے انداز میں تسلی دی ہے کہ یہ ہدایات جو تمہیں دی جارہی ہیں ان سے مقصود تمہاری زندگی کو قید و بند میں جکڑنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اہل بیت نبوت سے ہر آلائش کو دور رکھے اور ان کی نہایت اعلیٰ تربیت کر کے ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے رسول کی رفاقت کے لائق بنائے۔ لفظ 'رجس' میں یہاں 'بیگمات' کے سامان زینت پر تعریض ہے کہ یہ زینت نہیں بلکہ گندگی کا بوجھ ہے جس کو یہ لادے پھر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت کو اس گندگی سے پاک رکھنا چاہتا ہے۔

اس آیت کی اصل تعلیم کی وضاحت تو اوپر کی سطروں میں ہو چکی ہے لیکن چند اور باتیں بھی اس میں قابل توجہ ہیں۔

ایک یہ کہ عورت کا اصل دائرہ کار اس کا گھر ہے۔ اس کو اپنی تمام سرگرمیوں اس کے اندر ہی محدود رکھنی چاہیں اور اگر کبھی اس کو گھر کے حدود سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت پیش آئے تو اسے ان حدود کی پابندی کرنی ہوگی جن کی تفصیل اسی سورۃ میں آگے آرہی ہے۔

دوسری یہ کہ عورتوں کا بناؤ سنگار کر کے گھروں سے باہر نکلنا تہذیب کی ترقی کی نشانی نہیں ہے بلکہ یہ جاہلیت اولیٰ کی طرف رجعت ہے۔

تیسری یہ کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اہل بیت ہونے کا شرف اصلاً آپ کی ازواج مطہرات (رض) کو حاصل ہے۔ یہ آیت اس باب میں نصِ قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن میں اس کی نظیریں بھی موجود ہیں۔ یہاں اہل بیت ہے ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کے سوا کسی اور کو مراد لینے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ دوسروں کی شمولیت اس میں ہو سکتی ہے تو اصلاً نہیں بلکہ تبعاً و ضمناً ہو سکتی ہے۔ اس وجہ سے ان غالی فرقوں کی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی جو اصل کے تو منکر ہیں لیکن فروع پر بڑا طوفان کھڑا کرتے ہیں۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭاِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝۳۴

اور تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو تعلیم ہوتی ہے اس کا چرچا کرو۔ بیشک اللہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے۔

یہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج کو ان کا اصل مقصد زندگی بتایا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ان کاموں کے لیے نہیں منتخب فرمایا ہے جن کی دعوت منافقات دے رہی ہیں بلکہ قرآن اور حکمت کی جو تعلیم ان کے گھروں میں دی جارہی ہے وہ اس کا چرچا کریں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت جس طرح مردوں کی رہنمائی کے لیے ہوئی تھی اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ہوئی تھی۔ آپ جس طرح باہر لوگوں کو تعلیم دیتے رہتے تھے اسی طرح اپنے گھروں کے اندر بھی تعلیم دیتے رہتے تھے۔ وحی جس طرح باہر آپ پر نازل ہوتی تھی اسی طرح گھر کے اندر بھی نازل ہوتی تھی۔ نیز جس طرح آپ کا ہر قول لوگوں کے لیے تعلیم و ہدایت تھا اسی طرح آپ کا ہر فعل بھی لوگوں کے لیے اسوہ و نمونہ تھا۔ آپ کی زندگی 'پرائیویٹ اور پبلک کے الگ الگ خانوں میں تقسیم نہی تھی بلکہ آپ کی حیات مبارک کا ہر لمحہ امت کی تعلیم و تربیت کے لیے وقت تھا، اس وجہ سے ضروری ہوا کہ جس طرح آپ کی باہر کی زندگی کی ایک ایک ادا کو محفوظ کرنے کے لیے آپ کے جاں نثار سایہ کی طرح آپ کے ساتھ ساتھ رہیں، اسی طرح آپ کے گھر کے اندر کی زندگی کا بھی ایک ایک پہلو محفوظ رکھنے کا انتظام ہو۔ یہ کام ظاہر ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات (رض) ہی کے ذریعہ سے ممکن تھا۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا علم و عمل جتنا آپ کی ازواج مطہرات (رض) کے ذریعے سے پھیلا ہے اس کی مقدار صحابہ (رض) کے ذریعے پھیلے ہوئے عل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اور اس آیت سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ اس مشن پر آپ کی ازواج مطہرات (رض) کو اللہ تعالیٰ نے خود مامور فرمایا تھا کہ ان کا کام دنیا کے خوف ریزے جمع کرنا نہیں بلکہ علم و حکمت کے ان خزانوں کو خلق کے اندر لٹانا ہے جن کی بارش ان کے گھروں کے اندر ہو رہی ہے۔۔ ہمارے نزدیک یہ مصلحت بھی من جملہ ان مصالح کے ہے جن کی بنا پر نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تعداد اواج کی خاص اجازت دی گئی۔ اس مسئلہ پر آگے بحث آئے گی۔

'ان اللہ کان لطیفا خبیرا یعنی یہ اطمینان رکھو کہ اگر تمہاری ڈیوٹی گھروں کے اندر سے متعلق ہے تو تمہاری کوئی خدمت تمہارے رب سے مخفی نہیں رہے گی۔ خدا بڑا ہی باریک ہیں اور بڑا ہی خبر رکھنے والا ہے۔ وہ تمہارے ہر عمل اور تمہاری ہر ضرورت سے اچھی طرح باخبر ہے۔ تم اس کے بھروسہ پر اپنا فرض انجام دو، اللہ تعالیٰ تمہاری ضروریات کا خود کفیل ہے۔

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ
وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّاۗىِٕمِيْنَ وَالصّٰۗىِٕمٰتِ

وَالۡحٰفِظِيۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝۳۵

اطاعت کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، ایمان لانے والے مرد اور ایما لانے والی عورتیں، فرمان برداری کرنے والے مرد اور فرمان برداری کرنے والی عورتیں، راستباز مرد اور راستباز عورتیں، ثابت قدمی دکھانے والے مرد اور ثابت قدمی دکھانے والی عورتیں، فروتنی اختیار کرنے والے مرد اور فروتنی اختیار کرنے والی عورتیں، خیرت کرنے والے مرد اور اپنی شرم گاہوں کے حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والے مرد اور اللہ کو کثرت سے یاد رکھنے والی عورتی ۔۔ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اوپر جو باتیں متفرق طور پر، بعض منفی اور بعض مثبت پیرایہ میں، فرمائی گئی ہیں۔آخر میں ان سب کو ایک جامع اسلوب میں سامنے رکھ دیا گیا ہے اور مقصود اس سے یہ بتانا ہے کہ اللہ اور رسول کو جو معاشرہ مطلوب و محبت ہے اس کی صفات کیا ہونی چاہیں۔ یہ گویا مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے سامنے ایک آئینہ رکھ دیا گیا ہے کہ وہ اس کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو سنواریں اور ان منافقبن و منافقات کے چکمے میں نہ آئین جو ان کے چہروں پر جاہلیت کی وہی سیاہی پھر ملنے کی فکر میں ہیں جس کو اللہ کے رسول نے دھونے کی کوشش کی ہے۔ یہ ساری باتیں تعداد میں دس ہیں اور اوپر سے اس پیرے میں جو ہدایت متفرق طور پر دی گئی ہیں وہ بھی الگ الگ تنیے تو دس نکلیں گی۔ جہاں چونکہ خطاب خاص طور پر ازواج مطہرات (رض) سے ہے، نیز مقصود اسلامی معاشرہ کے اجزائے ترکیبی کی بتانا ہے، اس وجہ سے عورتوں کا ذکر ضمناً نہیں بلکہ مردوں کے پہلو بہ پہلو مستقلاً آیا ہے اس لیے کہ عورتیں معاشرے کا بالکل نصف اور مساوی حصہ ہیں اور معاشرے کے بناؤ اور بگاڑ میں ان کا دخل مردوں سے شاید کسرے زائد ہے :

یہاں جو صفات گنائی گئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

۱۔ اسلام ۲۔ ایمان ۳۔ قنوت ۴۔ صدق ۵۔ صبر ۶۔ خشوع ۷۔ صدقہ ۸۔ روزہ ۹۔ عفت وحیا ۱۰۔ ذکر اللہ

یہ تعداد میں دس ہیں۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اسلامی اخلاق و کردار کے تمام پہلو ان کے اندر سمٹ آئے ہیں اور چونکہ ان کا ذکر صفت کے صیغوں سے ہوا ہے اس وجہ سے یہ بحیثیت عادت وصفت کے مطلوب ہیں۔ یعنی معاشرہ کے ہر فرد پر، عورت ہو یا مرد، ان کا رنگ چھایا ہوا ہے۔

ان صفات میں سے کچھ کا تعلق حقوق اللہ سے ہے، کچھ کا تعلق حقوقل العباد سے ہے۔ اور کچھ اصلاً اصلاح نفس سے تعلق رکھنے والی ہیں۔

اسلام اور ایمان پورے دین کی جامع تعبیر ہے۔ ایمان دین کا باطن ہے، اسلام اس کا ظاہر ہے اور یہ دونوں بیک وقت مطلوب ہیں۔

لفظ قنوت 'اوپر آیت ۳۱ میں گزر چکا ہے۔ یہ خدا اور رسول کی اس فرمان برداری کی تعبیر ہے جو دل کی پوری یکسوئی، پوری نیاز مندی اور کامل اخلاص کے ساتھ دائما ہو۔

'صدق، قول، فعل ارادہ تینوں کی مطابقت اور استواری کی تعبیر کے لیے آتا ہے۔ اوپر آیت میں 'صدقوا ماعھدو اللہ علیہ (اور انھوں نے اللہ سے جو عہد باندھا اس کو پورا کر دکھایا) کے الفاظ گزر چکے ہیں۔ اس پہلو سے یہ نفاق کے بالکل ضد کردار کی تعبیر ہے۔ ہمارے ہاں قول مرداں جاں وارد، اس کے اسی پہلو کی تعبیر ہے۔

'صبر 'استقامت، استقامت، استقلال، پامردی کے مفہوم میں آتا ہے۔ جو آدمی ہر خوف و طمع کے مقابل میں خواہ وہ اس کے اندر سے سر اٹھائے یا باہر سے، موقف حق پر ڈٹا اور اپنے رب سے راضی و مطمئن رہے وہ صابر ہے اور اسی کردار پر در حقیقت تمام دین قائم ہے۔

'خشوع 'کا مفہوم فروتنی اور خاکساری ہے۔ یہ چیز خدا کی ہیبت اور اس کی عظمت وجلال کے صحیح تصور سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ صفت آدمی کو اس کے رب کے آگے بھی جھکاتی ہے اور خلق کے لیے بھی اس کو مہربان و حلیم بناتی ہے۔ یہ استکبار کا ضد ہے جو تمام انفرادی و اجتماعی برائیوں کی، خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے جڑ ہے۔

'تصدق ' کے معنی صدقہ کرنے کے ہیں۔اس کا تعلق خاص طور پر حقوق العباد سے ہے۔آدمی جب اپنی خواہشوں کو دبا کر اور اپنی ضروریات میں کر کے اپنا مال دوسروں کی ضروریات پوری کرنے پر خرچ کرتا ہے تو اس سے اس کے ایمان باللہ اور ایمان باآخرت کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ چیز درجہ بدرجہ اس کے ایمان کو پختہ اور استوار کرتی جاتی ہے۔

'صوم ' ضبطِ نفس اور تربیت صبر کی خاص ریاضت ہے۔سورۃ بقرہ کی آیات ۱۸۳۔۱۸۷ کے تحت ہم اس کے اثرات پر بحث کر چکے ہیں۔انسان کے تمام کردار کی بنیاد صبر پر ہے اور روزہ صبر کی تربیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

'حفظ فروج ' عفت کی تعبیر یہ جو ضبط نفس کا ثمرہ یہ معاشرے میں خرابی پیدا کرنے کا سب سے زیادہ زود اثر شیطان کے ہاتھ میں یہی ہے کہ وہ اپنے پروپیگنڈے کے ذریعے سے عورتوں اور مردوں کے اندر عفت کے احساس کو مردہ کردیتا یہ۔یہاں بھی اوپر کی آیت میں گزر چکا ہے کہ منافقین و منافقات کی سب سے بری کوشش یہ تھی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات (رض) کے اندر زیب وزینت کی نمائش کا شوق ابھاریں تاکہ اس طرح مسلمانوں کا پورا معاشرہ بے حیائی کی راہ پر چل پڑے۔

'ذکر اللہ ' تمام مذکورہ بالا صفات کا منبع اور ان کا محافظ ہے۔بندہ جتنا ہی زیادہ اپنے رب کو یاد رکھتا ہے اتنی ہی یہ صفات اس کے اندر راسخ و پختہ ہوتی ہیں۔سارے دین کی محافظ درحقیقت اللہ کی یاد ہی ہے۔اور نماز اللہ کے ذکر ہی کا دوسرا نام ہے۔چنانچہ قرآ میں جگہ جگہ نماز کا ذکر تمام دین و اخلاق کے محافظ کی حیثیت سے آیا ہے اور ہم اس پر بحث کر چکے ہیں۔

۶۔آگے کا مضمون۔۔آیات ۳۶۔۴۸

آگے حضرت زید (رض) اور حضرت زینب کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی درحقیقت اوپر کے سلسلہ بیان ہی کی ایک کڑی ہے۔اس واقعہ کو بھی منافقین اور منافقات نے ایک فتنہ بنالیا تھا جس سے طرح طرح کے سوالات اٹھ کھڑے ہوئے۔اللہ تعالیٰ نے ان سب سوالوں کے جواب دیے جن سے دین کے بعض نہایت اہم پہلو واضح ہوئے۔

مثلاً یہ کہ۔۔

☆اللہ اور رسول کا حق سب سے بڑا ہے اس وجہ سے جب کسی معاملے میں اللہ و رسول کی مرضی واضح ہو جائے تو اس میں آدمی کی اپنی مرضی کالعدم ہو جاتی ہے۔

☆رسول کا فریضہ منصبی اللہ کے احکام کی دعوت اور ان کا اجراء نفاذ ہے اس وجہ سے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم صادر ہو جائے تو اس کا فرض ہے کہ اس حکم کی تعمیل کرے اور اس معاملے میں کسی کی مخالفت یا ملامت کی مطلق پروانہ کرے۔

☆متبنّیٰ کی بیوی سے متعلق جو تصور زمانہ جاہلیت سے چلا آرہا تھا نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنے عمل سے اس کی اصلاح کی ہدایت اور اس معاملے میں اشرار کے غوغا کی پروانہ کرنے کی نہایت شدت سے تاکید۔

☆نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چونکہ خاتم النبیین ہیں اس وہ سے ضروری ہوا کہ آپ کے ہاتھوں دین کے ہر شعبہ کی تکمیل ہو جائے۔اس کے کسی پہلو میں کوئی خلا نہ رہ جائے۔

☆نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے خلق پر جو عظیم فضل واحسان فرمایا اس کا بیان اور امت پر آپ کے حقوق کی طرف اشارہ۔

یہ اشارات اگرچہ اس پیرے کے ربط و نظام کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں لیکن ہم بالا جمال حضرت زید (رض) اور حضرت زینب (رض) کا واقعہ بھی ذکر کیے دیتے ہیں تاکہ آیات کے تحت جزئیات سے تعرض کی ضرورت پیش نہ آئے۔

حضرت زید بن حارثہ (رض) کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا۔یہ بچپن کسی غارت گری میں گرفتار ہوئے اور غلام بنا لیے گئے۔حکیم بن حزام نے ان کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ (رض) کے لیے خریدا۔حضرت خدیجہ (رض) جب آنخضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عقد نکاح میں آئیں تو انھوں نے ان کو آنخضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہبہ کر دیا۔اس طرح ان کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غلامی کی جو قدر وعزت نے ان کی نگاہوں میں تھی اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جب ان کے والد اور چچا نے آنخضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ان کی آزادی کا مطالبہ کیا تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے باپ کے پاس چلے جائیں، چاہیں تو حضور (صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں رہیں۔ اس موقع پر حضرت زید (رض) نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ اپنی محبت کی جو مثال پیش کی وہ تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ انھوں نے آزادی کا اختیار نامہ پا جانے کے باوجود اس آزادی پر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غلامی کو ترجیح دی۔ خواجہ حافظ نے شاید اسی واقعہ کو سامنے رکھ کر اپنا یہ لاجواب شعر کیا ہو۔

بولائے تو کہ گر بندہ خویشم خوانی

از خواجگی کون و مکاں بر خیزم

اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان سے محبت تو ان کی خوبیوں کے سبب سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو شروع ہی سے تھی۔ اس واقعہ کے بعد وہ چوچند ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے غیر معمولی التفات واعتماد کو دیکھ کر لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ آپ نے ان کو منہ بولا بیٹا بنا لیا ہے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انتظامی اور فوجی صلاحیتیں بھی تھیں۔ متعدد مواقع پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو فوجی دستوں کی سر کردگی سپرد کی اور بعض مواقع پر، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غیبت میں، وہ مدینہ پر امیر بھی رہے۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی عزت افزائی کے لیے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن، حضرت زینب بنت جحش (رض) کے ساتھ کر دیا۔ ان کا تعلق خاندان بنی اسد تھا۔ ان کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب تھیں۔ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زید (رض) کے لیے حضرت زینب (رض) کو پیغام دیا تو ان کے عزیزوں کو اس رشتہ پر اعتراض ہوا کہ حضرت زید (رض) ایک آزاد کردہ غلام اور غیر کفو ہیں۔ لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ چاہتے تھے کہ غلاموں سے متعلق لوگوں کے تصورات میں تبدیلی پیدا ہو اس وجہ سے آپ نے اس نکاح پر اصرار فرمایا۔ بالآخر حضرت زینب (رض) راضی ہو گئیں اور انکاح ہو گیا۔

نکاح کے بعد منافقین اور منافقت نے فتنہ اٹھایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک معزز گھرانے کی ایک شریف خاتون کا دامن اپنے ایک آزاد کردہ غلام کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ اس قسم کی معاشرتی اصلاحات کو عوام کا ذہن آسانی سے قبول نہیں کرتا اس وجہ سے اس نکاح کے خلاف ایک مخالفانہ فضا پیدا ہو گئی۔ خاص طور پر منافقات نے حضرت زینب (رض) کو ورغلانے کی پوری کوشش کی۔ ان کو غیرت دلائی کہ یہ سخت ظلم ہے کہ ان کو ایک ایسے شخص کے حبالہ عقد میں دے دیا گیا ہے جو ابھی تکل تک ایک زر خرید غلام تھا۔ آخر حضرت زینب (رض) بشر ہی تھیں، کوئی فرشتہ نہیں تھیں، اس وجہ سے ان کے دل پر بھی ان باتوں کا اثر پڑا ہو گا۔

حضرت زید (رض) ایک حساس، خودار، منکر المزاج آدمی تھے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام دالداریوں کے باوجود اپنی غلامی کے دور کو بھولے نہیں تھے۔ دوسری طرح سیدہ زینب (رض) کے مزاج میں فی الجملہ تمکنت اور تیزی تھی۔ عام حالات میں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو خوش گوار معاشرت میں خلل انداز ہو لیکن منافقین نے چونکہ فضا بدگمانی کی بنادی تھی اس وجہ سے حضرت زید (رض) کو یہ احساس ہونے لگا کہ حضرت زینب (رض) اپنے اندر ایک تفوق کا احساس رکھتی اور اس تعلق کو ناپسند کرتی ہیں۔ بالآخر انھوں نے ارادہ کیا کہ حضرت زینب (رض) کو طلاق دے دیں کہ ان کی کبیدگی بھی رفع ہو جائے اور خود ان کے سر کا بوجھ بھی اتر جائے۔ لیکن کوئی اقدام کرنے سے پہلے انھوں نے چاہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ایماء بھی معلوم کر لیں اس لیے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی نے یہ رشتہ کرایا تھا۔ جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے انھوں کے اپنے ارادہ کا ذکر کیا تو آپ نے پوچھا کہ کیا ان کی طرف سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوئی ہے جو تمہیں شک میں ڈالنے والی ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایسی کوئی بات ہر گز نہیں ہے لیکن وہ اپنے خاندانی شرف کا احسس رکھتی اور اس کا اظہار بھی کرتی ہیں اور یہ چیز میرے لیے باعث اذیت ہے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس پر سختی سے ان کو اراہ طلاق سے روکا اور خوف خدا یاد دلایا۔ اس لیے کہ مجرد اپنا ایک ذاتی احساس اس بات کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ بیوی کو طلاق دے دی جائے۔

حضرت زید (رض) کا یہ ارادہ مختلف وجوہ سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے پریشانی کا باعث ہوا۔

اول تو اس وجہ سے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی نے، جیسا کہ اوپر گزرا، ایک نہایت اعلیٰ مقصد یہ رشتہ کرایا تھا۔ قدرتی طور پر آپ کی آرزو یہی تھی کہ منافقین و منافقات کی ریشہ دوانیوں کی علی الرغم فریقین خوشگواری کے ساتھ نباہ کرتے رہیں اور یہ رشتہ کامیاب ہو۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طلاق سے حضر زینتب (رض) کی حیثیت عرفی کو بڑا نقصان پہنچتا اور ان کا غم دہرا ہو جاتا۔ پہلے تو انھوں نے منافقین و منافقات کے یہ طعنے سنے کہ ایک آزاد کردہ غلام کی بیوی ہیں اور اس طلاق کے بعد لوگ یہ طعنہ دیتے کہ ایک آزاد کردہ غلام کی مطلقہ ہیں۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سارے واقعہ کی ذمہ داری اپنے اوپر سمجھتے تھے، اس وجہ سے حضرت زینب (رض) کی دالداری ضروری خیال فرماتے تھے۔ آپ کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر زید (رض) نے طلاق دے دی تو زینب (رض) کی دالداری کی واحد شکل یہ باقی رہ جائے گی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کو خود اپنے نکاح میں لے لیں، لیکن اس صورت میں اس سے بھی بڑے ایک دوسرے فتنے کے اٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا۔ علاوہ ازیں اس میں یہ شکل بھی تھی کہ عام مسلمانوں کے لیے ازواج کے باب میں چار تک کی تحدید کا حکم نازل ہو چکا تھا اور اس وقت حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نکاح میں چار بیویاں تھیں۔

ان مختلف وجوہ سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دلی خواہش یہی تھی کہ حضرت زید (رض) طلاق نہ دیں، چنانچہ آپ باصرار ان کو اس ارادہ سے روکتے رہے، لیکن حضرت زید (رض) حالات کا مقابلہ نہ کرسکے۔۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ سارا ہنگامہ ان کے اس نکاح کے سبب سے اٹھا ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ وہ طلاق دے دیں تاکہ حضرت زینب (رض) کی جان بھی ضیق سے چھوٹے اور ان کو بھی اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملے۔ چنانچہ انھوں نے طلاق دے دی۔ حضرت زینب (رض) کو اس طلاق سے صدمہ ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ ان کو جب اس کی اطلاع ملی تو انھوں نے انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔

جب بات یہاں تک پہنچ گئی تو، جیسا کہ اوپر گزرا، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زینب (رض) سے نکاح کرلینا چاہا لیکن منہ بولے بیٹے کے معاملے میں جاہلیت کی جو رسم تھی اس کے سبب سے اور تحدید نکاح کے سبب سے بھی آپ متردد رہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو ہدایت ہوئی کہ لوگوں کی مخالفت سے بے پروا ہو کر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ نکاح کرلیں تاکہ آپ کے عمل سے ایک غلط رسم کی اصلاح ہو جائے اور دین فطرت کے اندر ایک خلاف فطرت چیز جو گھسی ہوئی ہے اس کا خاتمہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کے بموجب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت زینب (رض) سے نکاح کرلیا۔

یہ اصل واقعہ ہے جو میں نے تمام روایات کی تحقیق کے بعد، آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس طول بیان کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ مستشرقین نے اس واقعہ کو اپنی رنگ آمیزیوں سے نہایت مکروہ بنا دیا ہے اور صدمہ کی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس رنگ آمیزی کے لیے سارا مواد ہماری تفسیر و سیرت کی کتابوں ہی سے لیا ہے۔۔ اب اس روشنی میں آس آیات کی تلاوت فرمایئے۔